قسط:۱۴

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا عتیق الرحمٰن تائب سے ملاقاتیں:

ابوالسیف مولانا عتیق الرحمٰن تائب رحمۃ اللہ کا ردِ قادیانیت کی تاریخ میں ایک منفرد مقام ہے۔ جو پہلے قادیانی تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ قبولِ اسلام کے بعد میں دینِ اسلام کے بنیادی عقیدہ ''ختمِ نبوّت'' کے تحفظ کے لیے ان کی ان تھک محنت اور لگن کو ہم اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں سے خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُنہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا عتیق الرحمٰن قیامِ پاکستان کے بعد چنیوٹ آ کر آباد ہو گئے۔ ان دنوں میری عمر بارہ تیرہ سال ہو گی۔ مجلس احرارِ اسلام سے وابستگی نے جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے میرے دل و دماغ میں قادیانیوں کے خلاف نفرت کی آگ لگا رکھی تھی۔ میرے اور مولانا کے درمیان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اس لیے کہ ہم دونوں قادیانیت کے خلاف ایک ہی راہ کے مسافر اور ایک ہی منزل کے راہی تھے۔ چنیوٹ میں قادیانیوں کی رہائش اس لیے میری برداشت سے باہر تھی کہ وہ سادہ لوح مسلمانوں میں گھل مل کر انہیں گمراہ کرتے تھے۔ اکثر اُن کے ساتھ لڑائیاں ہو جاتیں تھیں۔ مولانا مجھے سمجھاتے بھی تھے اور قادیانیت کے بارے بعض ایسی باتیں بھی بتاتے جس سے قادیانیوں کے خلاف میری نفرت میں اضافہ میرے عزم میں پختگی اور ارادوں میں استحکام پیدا ہوتا اور میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر قادیانیت کے خلاف اپنے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ سرگرم عمل رہتا۔

قادیانیوں سے مڈبھیڑ:

چنیوٹ کے قادیانی ہماری سرگرمیوں پر بہت برہم تھے۔ ہم قادیانی ہاسٹل بھی جایا کرتے اور ختم نبوت زندہ بات کے نعرے لگا کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے۔ ایک دن ہاسٹل کے سپرنٹنڈنٹ نے مجھے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی اور میرا تعارف پوچھا، میں نے کہا کہ میرا نام شبیر احمد ہے اور میرے والد کا نام نذیر احمد ہے۔ شاہی مسجد کے قریب میرا گھر ہے۔ تم سے جو کچھ ہوتا ہے کر لو ہم تمہاری مخالفت سے باز نہیں آئیں گے یہ ہمارا عقیدہ ہے۔ اس پر سپرنٹنڈنٹ چونک سا گیا اور کہا:

''اچھا تم شبیر ہو۔ تمہاری بہت شکایتیں ہمارے پاس آ چکی ہیں۔ تمہارا کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا''

میں نے جواب میں کہا:

''تم جو چاہتے ہو کر لو، میں تمہارے خلاف یہ جہاد کرتا رہوں گا''

اس واقعے کے بعد قادیانیوں نے میرے راستے پر جہاں سے گزر کر میں اُن کے محلے میں قاری مشتاق صاحب

کے درس میں قرآن پڑھنے جاتا تھا، دو تبت کے دراز قامت قادیانی جنہیں دیکھ کر ہی ہول سا آتا تھا کھڑے کر دیے۔ وہ منہ سے کچھ نہیں کہتے تھے لیکن میرے قریب آ کر مجھے گھورتے اور ڈرانے کی کوشش کرتے۔ میں سمجھ گیا یہ دونوں قادیانی ہیں اور مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے اس بات کا ذکر اپنے استاد اللہ دتہ قصاب المعروف دتّن قصائی سے کر دیا۔ جو فن کشتی میں میرے باقاعدہ استاد تھے اور میں اُن سے اکھاڑے میں کشتی کے داؤ پیچ بھی سیکھتا تھا۔ شہر میں منڈی باوالال میں ایک بڑا دنگل اصغر پہلوان (جو کہ منڈی میں آڑہتی تھے) اُن کی نگرانی میں ہوا تھا۔ جس میں ملک کے بڑے بڑے پہلوانوں نے اپنے فن کشتی کے جوہر دکھائے۔ اُس دنگل کی ابتداء میری کشتی سے ہوئی تھی جسے بہت سراہا گیا۔ میں نے اپنے استاد دتّن قصاب سے اُن تبّت کے قادیانیوں کا ذکر کیا (استاد دتّن نے تحریک ختمِ نبوّت ۱۹۵۳ء میں ایک سال جیل بھی کاٹی تھی) تو انھوں نے میرے کہنے پر اُن تبّتی قادیانیوں کو جو مجھے ڈرانے اور دھمکانے کے لیے مقرر کیے گئے تھے با آواز بلند غصے میں اُن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”اگر تم نے اس لڑکے کو کچھ کہا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے“ اس کے بعد میں نے ان تبّتی قادیانیوں کو شہر میں پھر کبھی نہیں دیکھا اور میں قادیانیوں کے خلاف اپنی سرگرمیوں میں پہلے سے بڑھ کر مصروف رہا۔

مولانا عتیق الرحمٰنؒ کی یادیں:

مولانا عتیق الرحمٰن مرحوم ومغفور بھی شہر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ میں اکثر اُن کے ساتھ ملتا رہتا تھا۔ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے قادیان داخلہ (۱۹۳۴ء) کے وہ عینی شاہد تھے۔ اُنھوں نے مجھے بتایا کہ اس وقت انہیں بھی قادیانیت کے بارے میں کچھ شک سا ہونے لگا تھا۔ میں رات کو ایک بڑا کمبل لپیٹ کر خفیہ طور پر امیر شریعت کی قادیان والی تقریر سن آیا۔ جس کی وجہ سے میرے دل میں قادیانیت کے بارے میں مزید اشکال پیدا ہو گئے۔ میں نے اُن سے سوال کیا۔ کیا آپ پیدائشی قادیانی تھے؟

انھوں نے جواب میں کہا نہیں میں پیدائشی یا نسلی قادیانی نہیں تھا۔ میرے ماں باپ مسلمان تھے اور ہم قادیان میں رہائش پذیر تھے۔ بد قسمتی سے میرے ماں باپ میرے بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ میں اس وقت کم عمر اور بے سمجھ بچہ تھا کہ قادیانیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ قادیانیوں نے ہی مجھے پالا پوسا اور میں قادیانی ماحول میں ہی جوان ہوا۔ میری تعلیم و تربیت کی طرف انھوں نے خصوصی توجہ دی اور مجھے قادیانی مبلغ بنا دیا۔ میں نے بطور قادیانی مبلغ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ کام کیا تو قادیانیوں میں خاص اہمیت حاصل کر گیا۔

میرے اس سوال کے جواب میں کہ کیا کبھی آپ کی تبلیغ سے کوئی مسلمان قادیانی بھی ہوا؟ انھوں نے کہا نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری تبلیغ سے کوئی مسلمان قادیانی نہیں ہوا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ جب آپ کے دل میں قادیانیت کے بارے میں اشکال پیدا ہوا تو پھر آپ نے کیا کیا؟ انھوں نے مجھے بتایا کہ میں نے دارالعلوم دیوبند میں ایک خط لکھ کر اُن سے قادیانیت کے بارے میں چند سوالات پوچھے تو اُن کا جوابی خط آیا کہ آپ دیوبند تشریف لے آئیں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ قادیانیوں سے پوشیدہ دیوبند کا قصد کیا اور وہاں چلا گیا۔ اب میں دیوبند کا مہمان تھا۔

اکثر وہاں کے طلباء سے ملتا اور ان سے بات چیت بھی کرتا تھا۔ تقریباً سات آٹھ روز تک میرا وہاں قیام رہا۔ اگرچہ قادیانیت کے موضوع پر میری اُن سے کوئی بات نہ ہوئی۔ میں تو فقط ان کے حسنِ اخلاق، نماز میں خشوع، گفتگو میں مٹھاس، اُن کے پُرخلوص رویے، اُن کی مہمان نوازی سے ہی متاثر ہو گیا تھا اور دل نے فیصلہ کیا کہ ایسے لوگ کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔ میں ہی گمراہ ہوں۔ میں نے اُنہی دنوں مسلمان ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسلام قبول کر کے ہی قادیان میں آیا۔ لیکن میرا مسئلہ اعلان کا تھا کہ میں قادیان میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیسے کروں۔ کیونکہ قادیان تو اس وقت قادیانیوں کی ایک مکمل ریاست تھی جس کی سربراہی مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ میں تھی۔ جہاں برطانوی حکومت کا بھی حکم نہیں چلتا تھا فقط مرزا بشیر الدین کا ہی حکم چلتا تھا۔ اُس کی مخالفت سے ڈر بھی تھا کہ وہ قتل کروا دیتا تھا۔

قادیان میں مرکزِ احرار سے رابطہ اور مسلمان ہونے کا اعلان:

اللہ تعالیٰ نے میری مدد کا ساماں اس طرح مہیا کر دیا کہ احرار کانفرنس اکتوبر ۱۹۳۴ء کے بعد مجلس احرار نے قادیان میں اپنا مرکز، مستقل ادارہ اور دفتر کھول دیا۔ کئی احرار رضا کار پورے ملک سے وہاں پہنچ چکے تھے۔ جو سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ میں نے احرار کے دفتر سے رابطہ کیا اور اُنہیں کہا کہ میں اپنے مسلمان ہونے کا قادیان میں اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سلسلے میں آپ کی یعنی احرار کارکنوں کی مدد درکار ہے۔ اُنہوں نے کہا مولانا آپ اعلان کریں آپ کی ہوا کی طرف بھی کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔ ہم یہاں پر یہ کہہ کر گھر سے آئے ہیں کہ زندہ رہے تو واپس آجائیں گے ورنہ قادیان میں ہی دفن ہوں گے۔ ہم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے قادیان میں شہید ہونے کی دعا مانگتے ہیں۔ احرار کے جیالے اور دلیر کارکنوں نے میرے دل میں ایسا جذبہ پیدا کر دیا کہ میں نے قادیاں میں برملا اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان سے پورے قادیان میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ میرے مسلمان ہونے کا اعلان اُس دن ہر قادیانی کی زبان پر تھا۔ وہ اس پر پریشان تھے اس لیے کہ انھوں نے مجھ پر بڑی محنت کی ہوئی تھی اور بطور مبلغ میں ان کی صفِ اوّل میں شامل تھا۔ بہرحال اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد میرے دل میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ مجلس احرار کا میں چونکہ ذاتی طور پر ممنون تھا۔ اس لیے احرار کارکنوں کے ذریعے احرار رہنماؤں سے رابطہ ہوا اور پھر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے تعلقِ خاطر قائم ہوا تو جیسے راہی کو ایک لمبے سفر کے بعد منزل مراد مل جاتی ہے اور جو کچھ وہ اس پر محسوس کرتا ہے وہی تاثرات میرے بھی تھے۔ اور میں اب بھی سوچتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا سر جھکا لیتا ہوں اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ پر کتنا کرم کیا کہ میں مرزا بشیر الدین سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری تک پہنچ کر اس جہاں میں سرخرو بھی ہوا اور جنت کے حصول کا متمنی بھی بن گیا۔ میرا یہ سارا سفر جہنم سے جنت تک کی مصداق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اب اپنی باقی زندگی ردِّ قادیانیت کے لیے وقف کر لی ہے۔ اس کے بعد چنیوٹ کے شیوخ سے میرا رابطہ ہوا تو انھوں نے مجھے کلکتہ اور اس کے گردونواح میں ردِّ قادیانیت کا فریضہ سونپا۔ میں قیامِ پاکستان تک وہاں کام کرتا رہا اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد میں یہاں چنیوٹ آیا کہ چنیوٹ شیخ برادری کا وطن بھی ہے اور مرکز بھی۔

مولانا کی بہادری اور دلیری کا ایک واقعہ:

مولانا کی شخصیت کا بنیادی وصف بہادری اور اپنے عقیدے کے بارے میں پورا اور پختہ یقین تھا۔ وہ قادیانیت کے خلاف بات کرتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی مجاہد ہاتھ میں تلوار لیے میدانِ جنگ میں جہاد و قتال میں مصروف ہے اور دشمنانِ اسلام کی لاشیں اس کی ارد گرد بکھری پڑی ہیں۔

چائے کے ساتھ ان کی خاص رغبت احباب میں مشہور تھی۔ وہ چائے پیالی سے نہیں کیتلی سے پیتے تھے۔ اُن کی گفتگو میں ایسی مٹھاس اور تازگی ہوتی کہ جی چاہتا کہ یہ شخص بولتا رہے اور ہم اسے ہمہ تن گوش سنتے رہیں۔ میرے ماموں زاد بھائی اشفاق راجھہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ طے ہوا کہ چناب نگر (ربوہ) کے قریب ایک گاؤں احمد نگر میں جا کر تبلیغ کی جائے کہ وہاں کوئی مسلمان جانے کی جرأت ہی نہیں کرتا۔ چنانچہ مولانا عتیق الرحمٰنؒ سے رابطہ کیا گیا۔ جو اس کام کے لیے تیار ہو گئے۔ مولانا ہم چند احرار کارکنوں کو ساتھ لے کر اس گاؤں چلے گئے۔ مسلمانوں کی ایک مسجد میں جلسے کا اعلان کر دیا گیا۔ جس پر وہاں کے قادیانیوں نے آ کر مولانا کو وارننگ دی کہ آپ تقریر نہ کریں۔ ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ مولانا نے جواب دیا کہ ہم تو آپ کے ہاتھوں قتل ہو کر شہادت کا رتبہ پانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ یہ تو ہماری خوش نصیبی ہوگی اگر ہم آپ کے ہاتھوں قتل ہو کر شہید ہو جائیں۔ لہٰذا تقریر ہوگی۔ چنانچہ آپ نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تقریر شروع کر دی۔ مولانا کی تقریر کیا تھی ایک طوفانِ باد و باراں تھا جو قادیانی دجل اور ان کے باطل عقائد کو خس و خاشاک کی طرح اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا تھا کہ اچانک ارد گرد کے مکانوں سے اینٹوں اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ہم رضا کاروں میں سے کئی زخمی ہو گئے۔ خود مولانا بھی شدید زخمی ہوئے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ کیا مجال کہ دم بھر کے لیے بھی ان کی زبان رکی ہو۔ انھوں نے للکارتے ہوئے قادیانیوں سے کہا کہ: ''تم پتھر مارو۔ ہم اپنی بات سے باز نہیں آئیں گے اگر ہم چند مسلمان یہاں تمہارے ہاتھوں شہید ہو گئے تو ملک میں وہ انقلاب آئے گا کہ تمہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا تعلق مجلس احرارِ اسلام سے ہے اور تم جانتے ہو کہ مجلس احرار کے رضا کار موت سے نہیں ڈرتے۔''

جب مولانا نے یہ کہا تو پتھر اور اینٹوں کی بارش بند ہو گئی اور مولانا زخمی حالت میں تقریر مکمل کر کے وہاں سے لوٹے۔

مولانا عتیق الرحمٰن پر قادیانی طلبہ کا حملہ:

یہ غالباً ۱۹۴۸ء کے وسط کا واقعہ ہے کہ میں روزانہ ہاکی کھیلنے کے لیے چنیوٹ کے مشہور ''کمال گراؤنڈ'' میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جایا کرتا۔ راستے میں تحصیل چوک (اب ''ختمِ نبوّت'' کے نام سے مشہور ہے) کے ساتھ فارمل سکول کی عمارت میں قادیانی سکول ''تعلیم الاسلام'' کے طلباء تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس دن حسب معمول میں ہاکی کھیلنے کے لیے جا رہا تھا کہ اسی چوک کے قریب مولانا سامنے سے آ رہے تھے۔ میری ان سے ملاقات ہوئی۔ مولانا بڑی بُری حالت میں تھے۔ کپڑے پھٹے ہوئے، مٹی سے اٹے سر کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے پر چوٹوں کے نشان۔ میں نے

انتہائی پریشانی کے عالم میں ان سے پوچھا، مولانا کیا ہوا؟ کہنے لگے قادیانی طلباء نے مجھے زدوکوب کیا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ سب کب اور کیوں ہوا؟ انھوں نے جواباً بتلایا اس نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی اُن کا جواب تھا کہ:

''چنیوٹ میں میری پشت پر کوئی نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہوں۔ مجھے تو قادیان میں بھی کسی کو ہاتھ لگانے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ آج چنیوٹ میں مجھے قادیانی بچوں سے مار کھانا پڑی''

اس پر میں نے اپنے ساتھیوں سے جن کے ہاتھوں میں ہاکیاں تھیں کہا کہ دوستو آج میں تو قادیانی طلباء سے ہی ہاکی کا میچ کھیلوں گا آپ سب کا کیا ارادہ ہے۔ میرے سب ساتھیوں نے کہا ''ہم تمہارے ساتھ ہیں آج ہاکی ہم بھی قادیانیوں کے ساتھ ہی کھیلیں گے۔ ہم سب نے مولانا سے پوچھا کہ آپ کو مارنے والے قادیانی کدھر کو گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ وہ اپنے محلے، محلّہ گڑھا کی طرف ابھی ابھی گئے ہیں۔ لیکن تم اب اُن سے نہ لڑو جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ بس معاملہ ختم کرو، میں نے کہا کہ نہیں ایسا ممکن نہیں۔ اب جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اگر ہم آج خاموش رہے تو یہ قادیانی تو ہمارے گھروں میں گھس کر ہمیں ماریں گے۔ پھر آپ جیسے شخص کی بے عزتی پر خاموشی ہم سب احراریوں کی غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔ چنانچہ ہم نے ان طلباء کا پیچھا کیا۔ اتفاق کی بات کہ تھوڑی دور چلنے پر وہ ہمیں سامنے نظر آئے۔ ان کی آوازیں ہم سن رہے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ میں نے مولوی تیر کمان کو گھونسہ مارا وہ چیخ اٹھا۔ کوئی کہہ رہا تھا میں نے اُسے منہ پر لات رسید کی۔ یعنی مولانا کی مار پیٹ پر وہ اپنے طور پر جشن فتح منا رہے تھے۔ میں نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ آپ اپنی ہاکیاں اپنی پیٹھ کے پیچھے چھپا لیں اور آپس میں اس طرح سے گفتگو کریں کہ جیسے ہمیں اس واقعہ کا علم ہی نہیں ہے۔ گھیرا ڈال کر اچانک حملہ کرنا ہے ایک بھی بچ کر نہ جانے پائے۔ چنانچہ ہم نے انہیں گھیرا ڈال کر اپنی ہاکیوں کی ان پر بارش کر دی، کسی کے سر پر، کسی کے کندھے پر، کسی کے بھاگتے ہوئے پیچھے ہاکیاں پڑیں۔ مولانا ہمارے پیچھے یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ قادیانی ہمارے آگے بھاگے ہم اُن کے پیچھے بھاگے وہ اپنے مکانوں میں گھس گئے۔ ہم نے مکانوں کے دروازوں پر ہاکیاں ماریں اور اُنہیں للکارتے رہے کہ باہر نکلو لیکن کسی کو باہر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مولانا میرے قریب آئے مجھے اپنے گلے سے لگا لیا۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور جس جذبے کے ساتھ وہ مجھے بار بار چوم رہے تھے مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ میں خوشی میں زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر اڑ رہا ہوں۔

اس واقعے کے بعد پھر مولانا کا ایک اور تعلق بھی ہمارے خاندان کے ساتھ ہو گیا۔ ان کی بڑی بیٹی کا رشتہ میرے چھوٹے بھائی باقر صغیر احمد سے طے ہو گیا۔ جو اب تک ایک خوش گوار زندگی کی صورت میں موجود ہے۔ یوں وہ تعلق جو ابتداء میں مجلس احرارِ اسلام اور ردِ قادیانیت کی وجہ سے مولانا سے قائم ہوا تھا ایک خاندانی تعلق میں تبدیل ہو گیا۔ جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ (ان شاءاللہ)

احرار کے جلسوں میں وہ میرے ساتھ منادی بھی کرتے تھے اور تقریریں بھی، مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں اور مولانا عتیق الرحمٰنؒ دونوں امیر شریعت کے جلسے کی منادی کر رہے تھے۔ تانگے پر لاؤڈ سپیکر نصب تھا۔ منادی کرتے ہوئے

میرے منہ سے نکل گیا ''مولانا مولوی امیر شریعت۔'' مجھے سختی سے ٹوکا اور کہا ''خبردار اگر امیر شریعت کو مولوی کہا امیر شریعت مجاہد ہیں اور مجاہد اور مولوی میں صرف میم مشترک ہے باقی کچھ بھی ایک نہیں ہے۔''

آخری دنوں میں فیصل آباد کی جناح کالونی کی جامع مسجد کے ایک حجرے میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی صحت درست نہیں تھی۔ لیکن اس ایک ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات میں مجھے مسلسل بار بار یہی کہتے رہے کہ بیٹا ردِّ قادیانیت کو اپنی زندگی کا مشن اور نصب العین بنالو، اس کے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کرتے رہنا یہی وسیلۂ نجات ہو گا۔ ہمارے دامن میں اس کے سوا اور کیا دھرا ہے۔ دن رات ردِّ قادیانیت میں بسر ہوئی۔ اللہ سے دعا ہے کہ اسے قبول کر کے مجھے معاف کر دے اور میری نجات کا وسیلہ بنا دے۔ میں نے ان کی اس دعا پر آمین کہا اور ان سے رخصت ہو کر واپس آیا۔ یہ میری ان سے آخری ملاقات تھی۔ جس کے بعد وہ جلدی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ لیکن ان کا نام اور کام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ یقیناً وہ تاریخ محاسبۂ قادیانیت کا ایک معروف باب ہیں اور ہم احرار والے ان کے اس کام کے معترف ہیں اور ان کی عظمت کے گیت گانے میں ایک خاص روحانی کیفیت اور عجیب لطف حاصل کرتے ہیں، وہ عقیدہ ختمِ نبوت پر لازوال یقین رکھتے تھے۔ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے قادیانی رہنے کے دوران جو کچھ دینِ اسلام کے خلاف کیا اس کے ازالے کے لیے اپنے تن من دھن کی قربانی دے کر ہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ''قادیانی فتنہ'' اور ''قادیانی نبی'' ان کی کتابیں ہیں۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا''

عقیدۂ ختمِ نبوت کا دفاع دین اسلام کی اعلیٰ اور ارفع خدمت ہے کیونکہ عقیدہ ختمِ نبوت ہی اسلام کا مرکز و محور ہے۔ جس کا براہِ راست تعلق حضور سرور کائنات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منصب کے ساتھ ہے۔ اسی مقام کو محفوظ رکھنے کے لیے ہم باغیانِ ختمِ نبوت کا محاسبہ کرتے ہیں اور ہر اس شخص کے مداح ہیں جو اس کارِ خیر میں ہمارے ساتھ تعاون کرے گا کیونکہ ہم نے ہی ردِقادیانیت کی تبلیغ کو ایک تحریک کی شکل دی اور قادیانیوں کو اس ملک کے میں آئینی طور پر غیر مسلم قرار دلوانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے

(جاری ہے)

تصحیح: سابقہ قسط میں چنیوٹ کی ایک کمیٹی کا نام ''رفاہ عامہ'' شائع ہوا صحیح لفظ ''مفاد عامہ'' کمیٹی ہے۔ قارئین تصحیح فرمالیں۔ (ادارہ)

☆......☆......☆